ڈاکٹر حافظ محمد زبیر [1]
ڈاکٹر حافظ حسین ازہر [2]

قانون اتمام حجت اور قانون جہاد: ایک تجزیاتی مطالعہ

Abstract

Law of Itmām al-Hujjah (Conclusive Contention) and the Law of Jihād (Armed Struggle): An Analytical Study

This article presents the analytical and critical study of Jāwayd AHmad Ghāmidī's argument of Law of Conclusive Contention (itmām al-Hujjah) and the Law of Armed Struggle (jihād). According to Mr. Ghāmidī, the form of offensive armed struggle (Jihad al-Qudūmī) which the Qur'ān discusses is impermissible after the departure of Prophet Muhmmad (SAW) from this world as it was specified for him alone and his time. However, a defensive armed-struggle (Jihād al-Difā'ī) is permitted. He argues that the offensive Jihād carried out by the Messenger SAW was in fact a form of retribution against those who denied his Prophethood once it was clarified. He calls this penance to be the law of Itmām al-Hujjah as such punishment embraced even earlier generations as well who denied the Divine Messages brought by their respective Messengers.

In the view of the author, this opinion does not conform to the guidelines that are given by the Qur'ān and Sunnah regarding offensive armed-struggle.

22 جنوری 2015ء کو روزنامہ جنگ میں محترم جاوید احمد غامدی صاحب کا ایک کالم بعنوان "اسلام اور

[1] اسسٹنٹ پروفیسر، کامساٹس انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، لاہور
[2] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ سماجی علوم، یونیورسٹی آف ویٹرنری اینڈ اینمل سائنسز، لاہور

ریاست: ایک مذہبی بیانیہ" کے شائع ہونے کے بعد مذہبی اور غیر مذہبی حلقوں میں اسلام میں نظام ریاست، سیاست، قانون جہاد اور نفاذ شریعت کے حوالے سے ایک فکری مکالمے کا آغاز ہو گیا اور اس بارے بیشتر اخبارات اور مجلات میں بیسیوں مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ ہمارے اس مضمون میں محترم غامدی صاحب کے ایک خاص تصور "قانون اتمام حجت" اور "قانون جہاد" کا ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جائے گا جو ان کے "اسلام اور ریاست" کے باہمی تعلق کی بابت پیش کردہ بیانیے کا فکری پس منظر بھی ہے۔

قانون "اتمام حجت"

محترم غامدی صاحب کا کہنا ہے کہ جب کوئی قوم کسی رسول کی دعوت پر ایمان نہیں لاتی تو ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے اور وہ صفحہ ہستی سے مٹا دی جاتی ہے اور یہ سنت الٰہی ہے یعنی ہمیشہ ہی ایسا ہوتا ہے۔ وہ "اتمام حجت" کا قانون بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نبی کریم ﷺ سے متعلق معلوم ہے کہ آپ نبوت کے ساتھ رسالت کے منصب پر بھی فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو خلق کی ہدایت کے لیے مبعوث فرماتے ہیں اور اپنی طرف سے وحی و الہام کے ذریعے سے اُن کی رہنمائی کرتے ہیں، اُنھیں نبی کہا جاتا ہے۔ لیکن ہر نبی کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ رسول بھی ہو۔ رسالت ایک خاص منصب ہے جو نبیوں میں سے چند ہی کو حاصل ہوا ہے۔ قرآن میں اِس کی تفصیلات کے مطابق رسول اپنے مخاطبین کے لیے خدا کی عدالت بن کر آتا ہے اور اُن کا فیصلہ کر کے دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ رسولوں کی دعوت میں یہ فیصلہ انذار، انذار عام، اتمام حجت اور ہجرت و براءت کے مراحل سے گزر کر اِس طرح صادر ہوتا ہے کہ آسمان کی عدالت زمین پر قائم ہو جاتی ہے، خدا کی دینونت کا ظہور ہوتا ہے اور رسول کے مخاطبین کے لیے ایک قیامت صغریٰ برپا کر دی جاتی ہے۔[1]

قانون "اتمام حجت" اور "قانون جہاد" کا باہمی تعلق

محترم غامدی صاحب کا کہنا ہے کہ رسول کی رسالت کا انکار کرنے والی اقوام پر جو عذاب نازل ہوتا ہے، اس کے نزول کی دو صورتیں ہیں: یا تو عذاب کسی زمینی اور آسمانی آفت کی صورت میں نازل ہوتا ہے یا پھر رسول کے متبعین ہی کو بذریعہ جہاد منکرین پر غلبہ دے دیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"پہلی صورت میں رسول کے قوم کو چھوڑ دینے کے بعد یہ ذلت اِس طرح مسلط کی جاتی ہے کہ آسمان کی فوجیں نازل ہوتی ہیں۔ ساف وحاصب کا طوفان اٹھتا اور ابر و باد کے لشکر قوم پر اِس طرح حملہ آور ہو جاتے ہیں کہ رسول کے مخالفین میں سے کوئی بھی زمین پر باقی نہیں رہتا۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوح، قوم لوط، قوم صالح،

[1] غامدی، جاوید احمد، میزان: ص 48، المورد، لاہور، طبع سوم: 2008ء

قوم شعیب اور اِس طرح کی بعض دوسری اقوام کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔ اِس سے مستثنیٰ صرف بنی اسرائیل رہے، جن کے اصلاً توحید ہی سے وابستہ ہونے کی وجہ سے سیدنا مسیح علیہ السلام کے اُن کو چھوڑنے کے بعد اُن کی ہلاکت کے بجائے ہمیشہ کے لیے مغلوبیت کا عذاب اُن پر مسلط کر دیا گیا۔ دوسری صورت میں عذاب کا یہ فیصلہ رسول اور اُس کے ساتھیوں کی تلواروں کے ذریعے سے نافذ کیا جاتا ہے۔ اِس صورت میں قوم کو مزید کچھ مہلت مل جاتی ہے۔ رسول اِس عرصے میں دارالہجرت کے مخاطبین پر اتمام حجت بھی کرتا ہے، اپنے اوپر ایمان لانے والوں کی تربیت اور تطہیر و تزکیہ کے بعد اُنھیں اِس معرکۂ حق و باطل کے لیے منظم بھی کرتا ہے اور دارالہجرت میں اپنا اقتدار بھی اِس قدر مستحکم کر لیتا ہے کہ اُس کی مدد سے وہ منکرین کے استیصال اور اہل حق کی سر فرازی کا یہ معرکہ سر کر سکے۔"[1]

قوموں پر عذاب کے نزول کی جو دوسری صورت محترم غامدی صاحب نے بیان کی ہے، اس بیان سے ان کا مقصود یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا جہاد کوئی شرعی حکم نہ تھا بلکہ اس عذاب کا نزول تھا جو رسولوں کا انکار کرنے والی قوموں پر نازل ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ محض قتال نہ تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا جو اتمام حجت کے بعد سنت الٰہی کے عین مطابق اور ایک فیصلہ خداوندی کی حیثیت سے پہلے عرب کے مشرکین اور یہود و نصاریٰ پر اور اس کے بعد عرب سے باہر کی اقوام پر نازل کیا گیا۔"[2]

محترم غامدی صاحب کے نزدیک اللہ کے رسول ﷺ کے علاوہ خلفائے راشدین کے دور میں بھی اہل روم وفارس سے جو جہاد و قتال ہوا ہے، وہ بھی کوئی شرعی حکم نہ تھا بلکہ ان قوموں پر اللہ کی طرف سے نازل ہونے والا عذاب تھا۔ اور یہ قومیں، اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں ہی رسالت کا انکار کرنے کی وجہ سے اس عذاب کی مستحق ہو چکی تھیں۔ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"ہم نے تمہید میں لکھا ہے کہ اِس مقصد کے لیے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ نے جو اقدامات کیے اور اُنھیں قتال کا جو حکم دیا گیا، اُس کا تعلق شریعت سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانون اتمام حجت سے ہے۔ اِس کتاب میں جگہ جگہ اِس قانون کی تفصیل کی گئی ہے۔"[3]

قانون "اتمام حجت" اور "قانون جہاد" کے باہمی تعلق کا نتیجہ

غامدی صاحب "اتمام حجت" کے قانون کو اللہ کے رسول ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور کے جہاد سے متعلق کرتے ہیں۔ اور ان کا کہنا یہ ہے کہ "اتمام حجت" کے قانون کے تحت غیر مسلم اقوام میں سے صرف انہی

[1] میزان: ص48-49
[2] ایضاً:599
[3] ایضاً:595

قوموں کو بذریعہ جہاد مفتوح اور مغلوب کرنے کا حق اہل اسلام کو حاصل تھا کہ جن تک رسول ﷺ کی دعوت ان کی زندگی میں پہنچ گئی تھی۔ لہٰذا آپ ﷺ کی رحلت کے بعد جہاد کے ذریعے دنیا کی بقیہ قوموں کو مفتوح و مغلوب کرنے اور ان پر جزیہ عائد کرنے کی کوئی گنجائش دین اسلام میں کسی مسلم ریاست کے لیے بھی موجود نہیں رہی ہے۔ محترم غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"لہٰذا یہ بالکل قطعی ہے کہ منکرین حق کے خلاف جنگ اور اس کے نتیجے میں مفتوحین پر جزیہ عائد کر کے انھیں محکوم اور زیر دست بنا کر رکھنے کا حق ان اقوام کے بعد اب ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔ قیامت تک کوئی شخص اب نہ دنیا کی کسی قوم پر اس مقصد سے حملہ کر سکتا ہے اور نہ کسی مفتوح کو محکوم بنا کر اس پر جزیہ عائد کرنے کی جسارت کر سکتا ہے۔"[1]

قانون "اتمام حجت" اور "قانون جہاد": ایک تجزیاتی مطالعہ

ذیل میں ہم محترم غامدی صاحب کے اس نکتہ نظر کا تجزیہ چند نکات کی روشنی میں پیش کریں گے:

1۔ مشرکین عرب سے قتال کے حکم کی وجہ "اتمام حجت" یا "نقض عہد"؟

اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سورۃ توبہ کی شروع کی آیات میں مشرکین عرب سے جہاد و قتال کا پرزور انداز میں حکم دیا گیا ہے۔ یہ آیات اس بارے میں بالکل صریح ہیں کہ ان میں مشرکین عرب سے قتال کا جو حکم دیا گیا تھا، وہ ایک سزا تھی۔ اور یہ "نقض عہد" اور "طعن فی الدین" کی سزا تھی نہ کہ کسی "اتمام حجت" کے قانون کا نفاذ، جبکہ "اتمام حجت" ایک ایسی اصطلاح ہے جو نہ لفظاً اور نہ ہی معناً قرآن مجید میں استعمال ہوئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ ﴾[2]

" اور اگر وہ اپنے وعدوں کے بعد اپنے قول و قرار کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو ان کفر کے اماموں سے قتال کرو کہ ان کے کسی بھی قول و قرار کا کوئی اعتبار نہیں ہے، شاید کہ وہ باز آ جائیں۔"

اس آیت مبارکہ میں مشرکین عرب سے قتال کو واضح طور "نقض عہد" اور "طعن فی الدین" کی سزا قرار دیا گیا ہے اور دونوں بنیادی طور "ظلم" کی دو صورتیں ہیں، کیونکہ "نقض عہد" کے نتیجے میں مسلمانوں کے حلیف قبیلے بنو خزاعہ پر قتل و غارت گری کا ظلم ہوا تھا۔ اسی سے اگلی آیت مبارکہ میں ارشاد ہے:

﴿ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ ﴾[3]

---

[1] میزان: 599

[2] سورۃ التوبۃ: 9: 12

[3] أیضاً: 9: 13

"بھلا تم اس قوم سے قتال نہ کرو گے کہ جنہوں نے اپنے قول و قرار کو توڑ دیا ہے؟ اور جنہوں نے رسول ﷺ کو نکالنے کی جسارت کی اور یہی وہی ہیں جنہوں نے زیادتی کرنے میں پہل کی۔"

اس آیت مبارکہ میں بھی "نقض عہد"، "رسول کو نکالنے کی جسارت" اور "زیادتی کی ابتداء" ظلم ہی کی تین صورتیں ہیں۔ پس "نقض عہد" ایک منصوص علت ہے۔ اور چونکہ مشرکین سے قتال "نقض عہد" کی سزا تھی لہٰذا ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾[1] صرف انہی قبائل پر جاری کی گئی جنہوں نے عہد توڑا تھا جبکہ جن بقیہ مشرک قبائل نے عہد کی پاسداری کی تھی، انہیں اس قتل کی سزا سے معاف رکھا گیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ﴾[2]

"ان مشرکین کا اس حکم سے استثناء ہے جن سے تم نے معاہدہ کیا اور انہوں نے اس میں کوئی خیانت نہ کی اور نہ ہی تمہارے خلاف کسی کی مدد کی تو ان کے معاہدے ان کی مدت تک پورے کرو۔"

مدت گزر جانے کے بعد ان مشرک قبائل کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا جو اہل کتاب کے ساتھ کیا گیا تھا۔ انہیں تین آپشن دیے گئے کہ یا تو اسلام قبول کر لیں یا پھر جزیہ دیں یا پھر جنگ کے لیے تیار رہیں۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ جب کوئی لشکر روانہ کرتے تھے تو یہ وصیت فرماتے:

اغْزُوا بِاسْمِ اللهِ فِي سَبِيلِ اللهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللهِ اغْزُوا وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنْ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ أَوْ خِلَالٍ فَأَيَّتُهُنَّ مَا أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا مِنْهَا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ يَجْرِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللهِ الَّذِي يَجْرِي عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَسَلْهُمْ الْجِزْيَةَ فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَقَاتِلْهُمْ[3]

---

[1] سورة التوبة:9: 5

[2] أيضاً:9: 1

[3] النيسابوري، مسلم بن الحجاج القشيري، صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث ووصية إياهم بآداب الغزو وغيرها: 1731، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الثانية، 2000م

"اللہ کے رستے میں اللہ کے نام سے جنگ کا آغاز کرنا۔ جو بھی اللہ کا کفر کرتا ہو، اس سے قتال کرنا۔ اور لوٹ مار مت کرنا اور نہ ہی عہد شکنی کرنا۔ اور کسی لاش کا مثلہ نہ کرنا اور نہ ہی کسی بچے کو قتل کرنا۔ اور جب تمہارا کسی مشرک دشمن سے سامنا ہو تو انہیں تین چیزوں کی دعوت دینا اور ان میں سے وہ جس کو بھی قبول کر لیں تو تم بھی اسے ان سے قبول کر لینا اور ان سے جنگ سے رک جانا۔ پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا۔ پس اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو تم بھی اسے ان سے قبول کر لینا اور ان سے جنگ نہ کرنا۔ پھر انہیں ہجرت کی دعوت دینا کہ وہ اپنے گھر چھوڑ کر مہاجرین کے شہر منتقل ہو جائیں اور انہیں یہ بھی واضح کر دینا کہ ہجرت کرنے کی صورت میں جو حقوق اور ذمہ داریاں مہاجرین کی ہیں، وہ ان کی بھی ہوں گی۔ پس اگر وہ ہجرت سے انکار کر دیں تو انہیں یہ کہنا کہ ان کا معاملہ مسلمان بدوؤں کا ہو گا اور ان پر وہ تمام احکامات لاگو ہوں گے جو اہل ایمان پر لاگو ہوتے ہیں۔ اور ان کے لیے مال غنیمت اور مال فے میں صرف اسی صورت حصہ ہو گا جبکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں گے۔ پس اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں تو ان سے جزیہ طلب کرنا۔ پس اگر وہ جزیہ دے دیں تو ان سے وہ قبول کر لینا اور جنگ سے رک جانا۔ پس اگر وہ جزیہ دینے سے بھی انکار کر دیں تو پھر اللہ کی مدد طلب کرنا اور ان سے قتال کرنا۔"

پس "معاہد مشرکین" ایک قسم ہیں اور "غیر معاہد مشرکین" دوسری قسم ہیں۔ سورہ توبہ میں دونوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے لیکن فرق یہ روا رکھا گیا ہے کہ "معاہد مشرکین" میں سے جو "نقض عہد" کے مرتکب ہوئے، انہیں سزا کے طور جزیہ کا آپشن نہیں دیا گیا جبکہ دیگر مشرکین کہ جنہوں نے معاہدہ نہیں توڑا یا جن سے معاہدہ ہی نہ تھا اور انہوں نے مسلمانوں پر کوئی ظلم بھی نہ کیا تھا تو انہیں اسی طرح جزیہ کا آپشن دیا گیا جس طرح اہل کتاب کو دیا گیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝﴾[1]

"تم قتال کرو ان لوگوں سے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور اس کو حرام نہیں ٹھہراتے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہو۔ اور ان اہل کتاب سے بھی قتال کرو جو دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ یہاں تک یہ لوگ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ چھوٹے بن کر رہیں۔"

اس آیت مبارکہ میں دو اقسام کا بیان ہے: پہلی قسم ان مشرکین کی ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اسے حرام قرار نہیں دیتے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہو جیسا کہ سورۃ یونس (59)، سورۃ النحل (116) اور سورۃ الانعام (136-140) وغیرہ میں تفصیلات موجود ہیں۔ اور دوسری قسم ان اہل

[1] سورۃ التوبۃ: 9: 29

کتاب کی ہے جو دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا عام مشرکین عرب سے جزیہ قبول کرنے کا جو حکم صحیح مسلم کی روایت کے حوالے سے ہم نے اوپر نقل کیا ہے، وہ دراصل اسی آیت مبارکہ کا بیان ہے۔ اس آیت مبارکہ کے معنی و مفہوم پر مزید گفتگو خلاصہ بحث میں کی گئی ہے۔

محترم عمار خان ناصر صاحب کی رائے ہے کہ سورۃ توبہ کی آیات میں وارد قتال کے حکم کے لیے "نقض عہد" کو علت بنانے میں کچھ اشکالات ہیں۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ سورۃ توبہ کی ان آیات میں "نقض عہد" حکم قتال کی منصوص علت ہے جبکہ "اتمام حجت" قیاسی ہے۔ لہٰذا منصوص علت کے مقابلے میں قیاسی علت کو کیسے ترجیح دی جا سکتی ہے؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ قیاسی علت، علت بننے کی شرائط پر بھی پوری نہیں اتر رہی ہے۔ "اتمام حجت" ایک ایسی علت ہے جو انضباط کے وصف سے خالی ہے۔ کس نے عہد توڑا ہے؟ یہ ایک منضبط وصف ہے جبکہ کس پر اتمام حجت ہوئی ہے؟ یہ ایک غیر منضبط وصف ہے۔ مشرکین کے حق میں "اتمام حجت" کے وصف کے غیر منضبط ہونے کی دلیل یہ آیت مبارکہ بھی ہے:

﴿وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۶﴾[1]

جہاں تک منصوص علت "نقض عہد" پر اشکالات کی بات ہے تو محترم عمار خان ناصر صاحب نے ایک اشکال یہ وارد کیا ہے کہ ﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱﴾[2] میں "معاہد مشرکین" سے خطاب ہے جبکہ آیت ﴿وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳﴾[3] میں جزیرہ نما عرب کے تمام مشرکین سے خطاب ہے۔ اور ان دو آیات میں دو الگ حکم بیان ہوئے ہیں۔

یہ بات درست نہیں ہے کہ ان دو آیات میں دو الگ حکم بیان ہوئے ہیں۔ ان دونوں آیات میں ایک ہی حکم بیان ہوا ہے اور وہ "مشرکین سے براءت" کا حکم ہے۔ یہ حکم پہلی آیت میں "براءة من المشرکین" اور تیسری میں "بريء من المشرکین" کے الفاظ میں موجود ہے اور دونوں آیات میں ایک ہی حکم ہے۔ اب جہاں تک اس حکم کے مخاطب کی بات ہے کہ کیا دونوں آیات میں مخاطب بھی ایک ہے؟ تو اس میں اختلاف ممکن ہے۔ لیکن اگر محترم عمار خان ناصر صاحب کی رائے کو ہی مان لیا جائے کہ دونوں آیات میں مخاطب مختلف ہیں تو اس سے ان کے نکتہ نظر کو کوئی تائید نہیں ملتی کیونکہ دونوں آیات میں حکم براءت کا ہے نہ کہ قتال کا۔ اور محل بحث قتال کا حکم ہے۔

---

[1] سورة التوبة: 9: 6

[2] أيضاً: 9: 1

[3] أيضاً: 9: 3

تیسری سے متصل بعد چوتھی آیت میں پھر "معاہد مشرکین" ہی کا ذکر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِلَّا الَّذِیۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ثُمَّ لَمۡ یَنۡقُصُوۡكُمۡ شَیۡـًٔا وَّ لَمۡ یُظَاهِرُوۡا عَلَیۡكُمۡ اَحَدًا فَاَتِمُّوۡۤا اِلَیۡهِمۡ عَهۡدَهُمۡ اِلٰی مُدَّتِهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُتَّقِیۡنَ ۝ ﴾[1]

اور قتال کا حکم اس سے متصل بعد پانچویں آیت میں دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِیۡنَ حَیۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ وَ خُذُوۡهُمۡ وَ احۡصُرُوۡهُمۡ وَ اقۡعُدُوۡا لَهُمۡ كُلَّ مَرۡصَدٍ ۚ فَاِنۡ تَابُوۡا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوۡا سَبِیۡلَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ ﴾[2]

2۔ دنیاوی عذاب کے بارے سنت الٰہی کا بیان

دوسری بات یہ ہے کہ اگر مشرکین عرب سے قتال کو "اتمام حجت" کے نتیجے میں "دنیاوی عذاب" قرار دیں جیسا کہ محترم غامدی صاحب کا بیان ہے تو "دنیاوی عذاب" کے باب میں ایک سنت الٰہی تو یہ ہے کہ عذاب اچانک آتا ہے اور جب آتا ہے تو مخاطب قوم کو ایک لمحے کی بھی مہلت نہیں دی جاتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَاۤ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡیَةٍ اِلَّا وَ لَهَا كِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ۝ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ۝ ﴾[3]

"اور جس بھی بستی کو ہم ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کا ایک مقرر وقت ہے۔ اور کوئی بھی قوم اپنی ہلاکت کے مقرر وقت سے نہ تو آگے بڑھتی ہے اور نہ پیچھے رہتی ہے۔"

اس کے برعکس مشرکین عرب کو "اعلان براءت" کے بعد بھی چار ماہ کی مہلت دی گئی۔ اگر یہ اللہ کا عذاب ہوتا تو "اعلان براءت" کے ساتھ ہی نازل ہو جاتا جبکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَسِیۡحُوۡا فِی الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ غَیۡرُ مُعۡجِزِی اللّٰهِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخۡزِی الۡكٰفِرِیۡنَ ۝ ﴾[4]

"پس تم زمین میں چار مہینوں تک کے لیے چل پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اور بے شک اللہ عزوجل کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔"

اور پھر "اعلان براءات" تو بہت بعد کی بات ہے، اس عذاب کو قرآن مجید کی آیت مبارکہ

﴿ لَقَدۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ عَلٰۤی اَكۡثَرِهِمۡ فَهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝ ﴾

کے اعلان کے فوراً بعد ہی نازل ہو جانا چاہیے تھا۔

اسی طرح اگر مشرکین عرب سے قتال کو "اتمام حجت" کے نتیجے میں "دنیاوی عذاب" قرار دیں جیسا کہ محترم

---

[1] سورۃ التوبۃ:9: 4

[2] أیضاً:9: 5

[3] سورۃ الحجر:15: 4-5

[4] سورۃ التوبۃ:9: 2

غامدی صاحب کا بیان ہے تو "دنیاوی عذاب" کے باب میں دوسری سنت الٰہی یہ ہے کہ عذاب کے نزول کے بعد کسی قسم کا ایمان معتبر نہیں رہتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝﴾[1]

"اے نبی ﷺ! ان سے کہہ دیجیے کہ فیصلے کے دن تو کافروں کو ان کا ایمان کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ہی وہ مہلت دیے جائیں گے۔"

اس قانون سے صرف ایک قوم کا استثناء ہے اور وہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝﴾[2]

"پس کیوں نہ ایسا ہوا کہ کسی بستی کو اس کا ایمان لانا فائدہ دیتا سوائے یونس علیہ السلام کی قوم کے۔ جب وہ ایمان لائے تو ہم نے ان سے اس دنیا میں رسوائی کے عذاب کو دور کر دیا اور انہیں ایک وقت کے لیے فائدہ دیا۔"

اس عذاب کے نزول کے بعد بھی ایمان قبول کیا گیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾[3]

"پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو تم ان کا رستہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ عزوجل بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

3۔ عذاب الٰہی اور امان الٰہی؟

مشرکین سے قتال کے حکم کے فوراً بعد مسلمانوں کو کہا گیا:

﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾[4]

"اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے امان طلب کرے تو اسے امان دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے اس کی امان کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کا حکم جانتے نہیں ہیں۔"

اب اگر ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ کے حکم کو عذاب مانیں تو یہ کیسا عذاب ہے کہ جس میں "اتمام حجت" کے بعد "امان الٰہی" بھی موجود ہے؟ اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اگر اللہ کا کلام سننے کے بعد ایمان

[1] سورة السجدة:32: 29

[2] سورة يونس:10: 98

[3] سورة التوبة:9: 5

[4] أيضاً:9: 6

نہ بھی لائے تو کوئی بات نہیں۔ اسے غور و فکر کا موقع دو اور ایسی جگہ پہنچا کر آؤ جہاں وہ امن و امان میں رہے۔ محترم غامدی صاحب سے یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ جب فرشتے پچھلی قوموں پر اللہ کے عذاب کا کوڑا لے کر نازل ہوتے تھے تو کیا کسی فرد کو اس قسم کی کوئی سہولت دی جاتی تھی۔

اسی طرح اگر "اتمام حجت" کا نظریہ درست ہوتا تو اللہ کا کلام سنانے کے کیا معنی؟ اور پھر اللہ عزوجل کے یہ کہنے کے کیا معنی کہ "یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں اللہ کا حکم معلوم نہیں ہے۔" محترم غامدی صاحب سے یہ سوال بھی کیا جاسکتا ہے کہ یہ کیسی "اتمام حجت" ہے کہ جس میں "اللہ کا کلام" بھی نہ پہنچا اور "اللہ کا حکم" بھی معلوم نہ ہو سکا۔ یہ بھی واضح رہے کہ ﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ صیغہ عام ہے یعنی اس میں عام بات ہو رہی ہے، کسی خاص یا چند افراد کے بارے میں نہیں۔ اسی لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ "اتمام حجت" کے نظریے کی کوئی شرعی تو کجا عقلی بنیاد بھی موجود نہیں ہے۔

4۔ یہود و نصاریٰ پر اتمام حجت کا معنی و مفہوم؟

اگر رسول ﷺ کا جہاد و قتال اللہ کا عذاب تھا تو اس کے جس قدر مستحق مشرکین مکہ تھے، اسی قدر مدینہ کے یہود بھی تھے۔ لیکن قرآن مجید کا بیان اس بارے واضح ہے کہ اس نے مشرکین مکہ کو تو جزیہ کی آپشن نہ دی جبکہ عرب کے یہود کے لیے جزیہ کی آپشن بھی برقرار رکھی گئی حالانکہ "اتمام حجت" تو دونوں پر برابر کی سطح کی تھی۔

پس اگر آپ ﷺ کے جہاد و قتال کی وجہ "اتمام حجت" تھی تو مشرکین عرب اور یہود عرب دونوں سے برابر کا سلوک ہوتا، صرف مشرکین عرب ہی اس عذاب کے مستحق کیوں ٹھہرے؟ قرآن مجید میں مشرکین کے بارے تو یہ بیان ہے کہ جہاں ملیں، انہیں قتل کر دو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾[1]

"پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو، جہاں بھی تم انہیں پاؤ۔ اور انہیں پکڑو اور انہیں گھیرو اور ان کے لیے ہر جگہ گھات لگا کر بیٹھو۔ پس اگر وہ توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو ان کا رستہ چھوڑ دو، بلاشبہ اللہ عزوجل بخشنے والا مہربان ہے۔"

قرآن مجید کا یہ انداز یہود و نصاریٰ سے جہاد و قتال کے حوالہ سے نہیں ہے کہ جہاں بھی ملیں، انہیں قتل کرو اور ان کے لیے ہر جگہ گھات لگا کر بیٹھو بلکہ ان کی اصل سزا "جلاوطنی" بیان ہوئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝﴾[2]

[1] سورۃ التوبۃ: 9: 5

[2] سورۃ الحشر: 59: 3

"اور اگر اللہ نے ان کے بارے جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو انہیں لازماً دنیا میں ہی عذاب دیتا۔ اور ان کے لیے آخرت میں آگ کا عذاب ہے۔"

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ، وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ حَتَّى لَا أَدَعَ إِلَّا مُسْلِمًا»[1]

"میں یہود و نصاریٰ کو جزیرہ نما عرب سے ضرور نکال کر رہوں گا یہاں تک کہ یہاں صرف اور صرف مسلمان ہی باقی رہ جائیں۔"

پس "قتل" اور "جلاوطنی" دو مختلف سزائیں ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ دونوں سزاوں کا سبب بھی ایک نہ تھا بلکہ مختلف تھا۔ "قتل" کا سبب "نقض عہد" تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہود کے قبیلہ بنو قریظہ کے "نقض عہد" پر بھی ویسی ہی سزا جاری کی گئی جیسی مشرکین مکہ کے بارے میں سورۃ توبہ کے شروع کی آیات میں بیان ہوئی ہے۔ پس صحیح بات یہی ہے کہ سورۃ توبہ کے شروع میں جن مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا، وہ مشرکین عرب نہیں بلکہ وہ مشرک قبائل تھے کہ جن سے مسلمانوں کے معاہدے قائم تھے اور انہوں نے وہ معاہدے توڑ دیے تھے۔

5۔ کیا ہر رسول کی قوم پر عذاب نازل ہوا ہے؟

اس حد تک تو یہ بات درست ہے کہ رسول کا انکار کرنے والی اقوام پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا رہا ہے اور یہ ایسا عذاب تھا جو ان اقوام کو صفحہ ہستی سے مٹا چھوڑتا تھا۔ لیکن اس میں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ قرآن مجید میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ہر رسول کی قوم کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں ہوا کہ رسول کے انکار پر اس کی زندگی میں ہی قوم پر عذاب نازل ہوا ہو۔ سب سے زیادہ رسول جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے ہیں، وہ یہود ہیں۔ اور یہود نے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا بلکہ بعض کو تو شہید بھی کر دیا لیکن ان پر اللہ کی طرف سے کوئی عذاب استیصال نازل نہیں ہوا۔ عذاب استیصال سے مراد ایسا عذاب ہے جو کسی قوم کی جڑ ہی ختم کر دے۔ اللہ عزوجل بنی اسرائیل سے مخاطب ہوتے ہوئے فرماتے ہے:

﴿ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۗ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝ ﴾[2]

"کیا پس جب بھی تمہارے پاس کوئی رسول آیا، وہ چیز لے کر جو تمہارے نفسوں کو اچھی نہ لگی، تو تم نے تکبر کیا۔ اور رسولوں کی ایک جماعت کو تم نے جھٹلا دیا اور دوسری کو تم قتل کرتے رہے۔"

جناب غامدی صاحب نے بنی اسرائیل یعنی یہود کو "عذاب استیصال" سے ایک استثناء قرار دیا حالانکہ رسولوں

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب اخراج اليهود والنصارى من جزيرة العرب: 1767

[2] سورة البقرة:2: 87

کی تاریخ کا نصف بلکہ اس سے بھی زائد تو بنی اسرائیل کے رسولوں ہی کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ اور بنی اسرائیل نے صرف رسولوں کو جھٹلایا نہیں بلکہ قتل بھی کیا ہے جبکہ پچھلی اقوام نے تو محض جھٹلایا تھا۔ پس وہ قومیں کہ جنہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور وہ قومیں کہ جنہوں نے تکذیب کے بعد ان کو قتل بھی کر دیا تو کیا دونوں کا جرم برابر رہا؟ ہر گز نہیں۔ پس بنی اسرائیل کا جرم، قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط اور قوم شعیب علیہم السلام سے بہت بڑھ کر ہے لیکن ان پر کوئی "عذاب استیصال" نازل نہیں ہوا؟ پس تاریخی حقیقت یہی ہے کہ جن قوموں نے اللہ کے رسولوں کا انکار کیا تو ان پر کبھی رسول ہی کی زندگی میں عذاب نازل ہو گیا اور کبھی انہیں مہلت اور ڈھیل دے دی گئی۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا ذکر تورات اور قرآن مجید دونوں میں ہے لیکن دونوں مصاحف نے ان کی قوم پر کسی عذاب کا ذکر نہیں کیا ہے جبکہ قوم کے لوگوں نے اپنے تئیں ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے جیسی گستاخی بھی کر ڈالی۔ اس کے برعکس حضرات ابراہیم علیہ السلام ہی کے معاصر اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم پر آنے والے عذاب کا ذکر تفصیل سے تورات اور قرآن مجید دونوں میں موجود ہے۔

پس یہی عرض کرنا مقصود ہے کہ یہ کہنا کہ اللہ کا یہ قانون ہے کہ جب کوئی قوم کسی رسول کا انکار کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ رسول ہی کی زندگی میں یا اسی کے ہاتھوں ضرور اس قوم پر عذاب استیصال نازل کرتے ہیں، تو یہ مقدمہ قرآن مجید سے کم از کم ثابت نہیں ہوتا ہے۔ پس بعض رسولوں کی قوموں پر انکار کے بعد رسولوں ہی کی زندگی میں عذاب نازل ہوا اور بعض پر نہیں ہوا۔ اور بعض ایسی بھی تھیں کہ جن میں ایک سے زائد رسول بھیجے گئے اور پہلے یا دوسرے کے انکار پر عذاب نازل نہ ہوا بلکہ ڈھیل دی گئی اور تیسرے رسول کے انکار پر قوم پر عذاب نازل ہو گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِذْ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْۤا اِنَّاۤ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۝ ﴾[1]

"اے نبی ﷺ! ان کے سامنے اس بستی کے احوال بیان کریں کہ جن کے پاس رسول آئے۔ جب ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے تو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلا دیا، پس ہم نے ان دونوں کو تیسرے رسول سے تقویت بخشی۔ پس ان تینوں نے کہا: یقیناً ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔"

محترم غامدی صاحب اس طرح کے ہر اعتراض کے جواب میں ایک استثناء بیان کر دیتے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جتنے استثناءات انہوں نے "اتمام حجت" کے قانون کو ثابت کرنے کے لیے قائم کر دیے ہیں تو ان کی فہرست کو اگر جمع کریں تو معلوم ہو گا کہ ان استثناءات کے حجم کے سامنے "اتمام حجت" خود ایک اچھا خاصا استثناء بن سکتا ہے۔

[1] سورۃ یس: 36: 13-14

6۔ رسول کا فریضہ: "اتمام حجت" یا "اقامت حجت"؟

رسول اس دنیا میں اللہ کا پیغام لے کر آتے ہیں، اور اللہ کے بندوں پر حجت قائم کرتے ہیں۔ اور اس کے لیے مناسب عنوان "اتمام حجت" نہیں بلکہ "اقامت حجت" ہے۔ یہ حجت رسول ﷺ کی بعثت اور دعوت سے ہر اس شخص پر قائم ہو جاتی ہے جس تک رسول ﷺ کی دعوت پہنچ جائے، چاہے ان کے زمانے میں یا چاہے ان کی رحلت کے بعد۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴾[1]

"اور ہم نے رسول بھیجے جو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے تاکہ لوگوں کے لیے اللہ پر رسولوں کے آنے کے بعد کوئی حجت باقی نہ رہے۔ اور اللہ عزوجل غالب حکمت والا ہے۔"

7۔ "اقامت حجت" کی دو بنیادیں: "دعوت رسول" اور "بلاغ قرآن"

پس حجت جس طرح رسول کی دعوت سے قائم ہوتی ہے، اسی طرح کتاب اللہ کے پہنچنے سے بھی قائم ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ۭ ﴾[2]

"اور میری یہ قرآن مجید وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس سے ذریعے تم کو ڈرادوں اور اس کو بھی جس کو یہ قرآن مجید پہنچ جائے۔"

اس آیت مبارکہ میں "من بلغ" کا عطف ضمیر منصوب پر ہے اور اس کا معنی یہ بنتا ہے کہ جس طرح قرآن مجید رسول ﷺ کے اولین مخاطبین کے لیے ان کے حق میں حجت بن رہا تھا، اسی طرح ان لوگوں کے حق میں بھی حجت ہے جن تک یہ قیامت تک پہنچے گا۔

اگر محترم غامدی صاحب کی اصطلاح "اتمام حجت" ہی کو لے لیں تو ان سے یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اگر اللہ کی کتاب بھی لوگوں کے حق میں "اتمام حجت" نہیں بنتی تو اس کے "میزان" ہونے کے چہ معنی دار؟ آپ نے اہل اسلام کے حق میں اسے "فرقان" تو بنا ہی لیا ہے، اب غیر مسلموں کے لیے بھی تو کم از کم "میزان" اور "حجت قاطعہ" تو مان ہی لیں۔ اور اگر قرآن مجید غیر مسلموں کے حق میں آخرت کی ابدی عذاب کے باب میں "میزان" اور "حجت قاطعہ" بن سکتا ہے تو دنیاوی سزا کے لیے "اتمام حجت" کیوں نہیں؟

---

[1] سورۃ النساء: 4: 165

[2] سورۃ الأنعام: 6: 19

8۔ "اقامت حجت" کا مقصد "دنیاوی عذاب الٰہی" یا "اخروی قطع عذر"؟

"اقامت حجت" کا تعلق دنیا سے نہیں بلکہ آخرت سے ہے۔ رسول اس لیے مبعوث کیے جاتے ہیں کہ وہ اپنی قوموں پر اس بارے میں حجت بن جائیں کہ میدان حشر میں مواخذے کے وقت ان کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ یہ ایک ایسی سنت یا قانون ہے کہ جس کے لیے کوئی استثناء نہیں ہے اور یہی اُن آیات کا صحیح مفہوم ہے کہ جن سے "اتمام حجت" کا تصور اخذ کیا جاتا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يُجَاءُ بِنُوحٍ يَوْمَ القِيَامَةِ، فَيُقَالُ لَهُ: هَلْ بَلَّغْتَ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ، يَا رَبِّ، فَتُسْأَلُ أُمَّتُهُ: هَلْ بَلَّغَكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: مَا جَاءَنَا مِنْ نَذِيرٍ، فَيَقُولُ: مَنْ شُهُودُكَ؟ فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهُ، فَيُجَاءُ بِكُمْ، فَتَشْهَدُونَ "، ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا﴾ - قَالَ: عَدْلًا - ﴿لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾.[1]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ قیامت والے دن حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور آپ سے کہا جائے گا کہ کیا آپ نے پیغام پہنچا دیا تھا؟ تو آپ کہیں گے: جی ہاں، اے میرے مالک! اب ان کی امت سے سوال کیا جائے گا کہ کیا نوح علیہ السلام نے تم تک پیغام پہنچا دیا تھا؟ تو وہ جواب دیں گے: ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں۔ پس اللہ عزوجل نوح علیہ السلام سے فرمائیں گے: آپ کے گواہ کون ہیں؟ تو وہ کہیں گے: محمد ﷺ اور ان کی امت، پس تمہیں لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے۔ اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے سورۃ البقرۃ کی یہ آیت مبارکہ پڑھی: اور اسی طرح ہم نے تمہیں معتدل امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر شہادت قائم کرو اور رسول ﷺ تم پر شہادت قائم کریں۔

مذکورہ بالا روایت کے مطابق نہ صرف اللہ کے رسول ﷺ بلکہ خود قرآن مجید نے بھی یہ واضح کیا ہے کہ جن آیات کو "اتمام حجت" کے قانون کی دلیل کے طور پیش کیا جاتا ہے، ان سے مراد یوم محشر میں "قطع عذر" ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ﴾[2]

"اور جس دن ہم ہر امت میں سے، انہی میں سے ایک گواہ ان کے خلاف کھڑا کریں گے اور ہم آپ ﷺ کو اپنی قوم کے خلاف گواہ بنا کر لائیں گے۔"

---

[1] البخاري، أبو عبد الله محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري كِتَابُ الِاعْتِصَامِ بِالكِتَابِ وَالسُّنَّةِ بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾: 7349، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الثانية، 1992م

[2] سورة النحل: 16: 89

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ "شہادت علی الناس" کا اصل موضوع "آخرت کی شہادت" ہے نہ کہ "دنیا کی شہادت۔"

9۔ "شهداء الله في الأرض" کا مفہوم

یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ مسلمان اس دنیا میں بھی گواہ ہیں۔ لیکن کسی معنی میں مسلمانوں کو اللہ کے رسول ﷺ نے "شهداء الله في الأرض" قرار دیا ہے، اس بارے ایک روایت کے الفاظ ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: مُرَّ بِجَنَازَةٍ فَأُثْنِيَ عَلَيْهَا خَيْرًا، فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ: «وَجَبَتْ، وَجَبَتْ، وَجَبَتْ»، وَمُرَّ بِجَنَازَةٍ فَأُثْنِيَ عَلَيْهَا شَرًّا، فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ: «وَجَبَتْ، وَجَبَتْ، وَجَبَتْ»، قَالَ عُمَرُ: فِدًى لَكَ أَبِي وَأُمِّي، مُرَّ بِجَنَازَةٍ، فَأُثْنِيَ عَلَيْهَا خَيْرٌ، فَقُلْتَ: «وَجَبَتْ، وَجَبَتْ، وَجَبَتْ»، وَمُرَّ بِجَنَازَةٍ، فَأُثْنِيَ عَلَيْهَا شَرٌّ، فَقُلْتَ: «وَجَبَتْ، وَجَبَتْ، وَجَبَتْ»؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، وَمَنْ أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الْأَرْضِ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الْأَرْضِ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الْأَرْضِ»[1]

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے میت کی تعریف کی۔ اس پر آپ نے کہا: واجب ہو گئی، واجب ہو گئی، واجب ہو گئی۔ پھر آپ ﷺ کے پاس سے ایک اور جنازہ گزرا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے میت کی برائی کی۔ اس پر آپ ﷺ نے دوبارہ کہا: واجب ہو گئی، واجب ہو گئی، واجب ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے نبی ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ نے ہر دو کے بارے میں "واجب ہو گئی" کے کلمات ارشاد فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ نے کہا: جس کے لیے تم نے نیک ہونے کی گواہی دی تو اس کے لیے جنت واجب ہو گی۔ اور جس کے بارے تم نے شریر ہونے کی گواہی دی تو اس پر جہنم واجب ہو گئی۔ تم اس زمین میں اللہ کے گواہ ہو، تم اس زمین میں اللہ کے گواہ ہو، تم اس زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔"

یہ روایت اس بارے واضح ہے کہ "شهداء الله في الأرض" سے مراد وہ گواہی ہے جو دی تو زمین میں گئی ہے لیکن ہے آخرت ہی کے بارے میں۔

10۔ "اتمام حجت" کا قانون اور "اکراہ فی الدین" کا قانون

محترم غامدی صاحب کا بیان کردہ "اتمام حجت" کا قانون، قرآن مجید کی صریح نص کے خلاف ہے۔

[1] صحيح المسلم كِتَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ فِيمَنْ يُثْنَى عَلَيْهِ خَيْرٌ أَوْ شَرٌّ مِنَ الْمَوْتَى: 949

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾[1]

"دین میں کسی بھی قسم کا کوئی جبر نہیں ہے۔"

اس آیت کی تشریح میں مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔"[2]

جب اسلام کسی کو "دین اسلام" قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا تو مشرکین عرب کو کیوں اس پر مجبور کیا گیا کہ وہ اسلام قبول کر لیں ورنہ تو "اتمام حجت" کے نتیجے میں قتل کر دیے جائیں گے؟ محترم غامدی صاحب کے "اتمام حجت" کے قانون کو مان لینے کی صورت میں مشرکین عرب پر یہ جبر بھی ماننا پڑتا ہے۔

11۔ عذاب یا رحمت؟

محترم غامدی صاحب کے بیان کے مطابق سابقہ اقوام پر "اتمام حجت" کے نتیجے میں جو عذاب نازل ہوتا تھا، وہ آندھی و طوفان اور سیلاب و غرق کا تھا لیکن مشرکین عرب کے لیے "اتمام حجت" کی صورت میں جو عذاب نازل کیا گیا، اس کی دو صورتیں تھی: قتل یا قبول اسلام، پس عذاب کی یہ دوسری صورت وہ ہے کہ جسے رحمت اور نعمت کا نام دیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

12۔ "محکوم بہ" یا "حکم جہاد"؟

آخر میں ہم یہ نکتہ بھی واضح کر دیں کہ اگر ہم محترم غامدی صاحب کے "اتمام حجت" کے قانون کو مان بھی لیں تو اس قانون کی ساخت اور بناوٹ ایسی ہے کہ اس کا تعلق جہاد سے نہیں بلکہ ان لوگوں سے بنتا ہے کہ جن سے جہاد کیا جا رہا تھا۔ فنی زبان میں ہم اسے یوں بیان کریں گے کہ "اتمام حجت" کا تعلق "حکم جہاد" سے نہیں ہے بلکہ "محکوم علیہ" سے ہے۔ پس "اتمام حجت" اور "مکلف" میں تعلق قائم کرنا ایک بامعنی بحث ہو گی جبکہ "اتمام حجت" اور "حکم جہاد" میں تعلق قائم کرنا کوئی معنی نہیں رکھے گا۔

خلاصہ بحث

① صحیح اور محقق بات یہی ہے کہ "اتمام حجت" نام کی اصطلاح کوئی دینی اصطلاح نہیں ہے۔ قرآن مجید نے اس باب میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں، وہ "حجت" کے ہیں۔ اور ان الفاظ کے سیاق و سباق سے "اقامت حجت" کی

---

[1] سورۃ البقرۃ:2: 256

[2] اصلاحی، امین احسن، مولانا، تدبر قرآن: 1/ 593، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، طبع اول، 1999ء

اصطلاح اخذ کی جاسکتی ہے کہ اللہ عزوجل اس دنیا میں اپنے بندوں پر "حجت" قائم کرتے ہیں تاکہ قیامت والے دن ان کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ یہ حجت دو طرح سے قائم ہوتی ہے، ایک رسول کی دعوت سے اور دوسرا اللہ کی کتاب سے۔ اللہ کے رسول ﷺ چونکہ آخری نبی ہیں، لہٰذا آپ ﷺ کی رحلت کے بعد قیامت تک کے لیے اللہ کے بندوں پر اللہ کی کتاب کو "حجت" بنایا کیا گیا۔

② دوسری بات یہ ہے کہ مشرکین ہوں یا اہل کتاب، دونوں کے بارے اللہ کی کتاب کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ یا تو اسلام قبول کریں یا پھر جزیہ دے کر رہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾[1]

"تم قتال کرو ان لوگوں سے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور اس کو حرام نہیں ٹھہراتے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام ٹھہرایا ہو۔ اور ان اہل کتاب سے بھی قتال کرو جو دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ یہاں تک یہ لوگ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ چھوٹے بن کر رہیں۔"

اس آیت مبارکہ میں دو اصناف کا بیان ہے۔ پہلی قسم ان مشرکین کی ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اسے حرام قرار نہیں دیتے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہو جیسا کہ سورۃ یونس 59، سورۃ النحل 116 اور سورۃ الانعام 136-140 وغیرہ میں تفصیلات موجود ہیں۔ اور دوسری قسم ان اہل کتاب کی ہے جو دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ ان دونوں سے جہاد و قتال کی غایت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔

اس آیت مبارکہ سے ماقبل آیات میں شروع سورہ توبہ ہی سے مشرکین کا بیان چلا رہا ہے اور متصل قبل آیت مبارکہ 27 میں ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ... ﴾ کے بیان میں بھی مشرکین عرب ہی سے خطاب ہے۔ پس آیت مبارکہ 28 میں آغاز آیت ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ میں جو قتال کا حکم دیا گیا تو اس میں بھی مشرکین عرب ہی مخاطب ہیں۔ اور ان کے بیان کے ذیل میں اہل کتاب کا بھی حکم بیان کر دیا گیا۔ تو ایک پہلو تو نظم قرآن کا ہوا جو اس بات کا متقاضی ہے کہ اس آیت مبارکہ میں دو اصناف کا مراد لینا زیادہ بہتر ہے اور دوسرا خود آیت مبارکہ کے الفاظ ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ یہ واضح کرتے ہیں کہ ان سے مراد مشرکین عرب ہیں کیونکہ قرآن مجید نے اہل کتاب کا تعارف ایک ایسے گروہ کے طور نہیں کروایا جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہ رکھتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جن مفسرین نے اس آیت مبارکہ میں جو حکم قتال بیان ہوا ہے، اسے ایک ہی صنف اہل کتاب سے متعلق کیا ہے تو انہیں یہ ثابت کرنے کے لیے بہت عجیب و غریب

[1] سورۃ التوبۃ: 9: 29

تاویلیں کرنی پڑیں کہ اہل کتاب کسی طرح اللہ کو بھی نہیں مانتے اور آخرت پر بھی ان کا ایمان نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک ان تاویلوں کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ اس آیت مبارکہ میں دو اصناف کا ذکر ہے اور اس کی تقدیر عبارت یوں بیان کی جاسکتی ہے:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ وَ[الَّذِينَ] ﴿ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ﴾

اللہ کے رسول ﷺ جب کوئی لشکر روانہ کرتے تھے تو یہ وصیت فرماتے جو کہ قرآن مجید کی درج بالا آیت مبارکہ کا بیان ہے:

اغْزُوا بِاسْمِ اللهِ فِي سَبِيلِ اللهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللهِ اغْزُوا وَلا تَغُلُّوا وَلا تَغْدِرُوا وَلا تَمْثُلُوا وَلا تَقْتُلُوا وَلِيدًا وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلَى ثَلاثِ خِصَالٍ أَوْ خِلالٍ فَأَيَّتُهُنَّ مَا أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الإِسْلامِ فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا مِنْهَا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ يَجْرِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللهِ الَّذِي يَجْرِي عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَلا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلا أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَقَاتِلْهُمْ[1]

"اللہ کے رستے میں اللہ کے نام سے جنگ کا آغاز کرنا۔ جو بھی اللہ کا کفر کرتا ہو، اس سے قتال کرنا۔ اور لوٹ مار مت کرنا اور نہ ہی عہد شکنی کرنا۔ اور کسی لاش کا مثلہ نہ کرنا اور نہ ہی کسی بچے کو قتل کرنا۔ اور جب تمہارا کسی مشرک دشمن سے سامنا ہو تو انہیں تین چیزوں کی دعوت دینا اور ان میں سے وہ جس کو بھی قبول کر لیں تو تم بھی اسے ان سے قبول کر لینا اور ان سے جنگ سے رک جانا۔ پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا۔ پس اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو تم بھی اسے ان سے قبول کر لینا اور ان سے جنگ نہ کرنا۔ پھر انہیں ہجرت کی دعوت دینا کہ وہ اپنے گھر چھوڑ کر مہاجرین کے شہر منتقل ہو جائیں۔ اور انہیں یہ بھی واضح کر دینا کہ ہجرت کرنے کی صورت میں جو حقوق اور ذمہ داریاں مہاجرین کی ہیں، وہ ان کی بھی ہوں گی۔ پس اگر وہ ہجرت سے انکار کر دیں تو انہیں یہ کہنا کہ ان کا معاملہ مسلمان بدوؤں کا ہو گا اور ان پر وہ تمام احکامات لاگو ہوں گے جو اہل ایمان پر لاگو ہوتے ہیں۔ اور ان کے لیے مال غنیمت اور مال فے میں صرف اسی صورت حصہ ہو گا جبکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں

[1] صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث ووصية إياهم بآداب الغزو وغيرها: 1731

گے۔ پس اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں تو ان سے جزیہ طلب کرنا۔ پس اگر وہ جزیہ دے دیں تو ان سے وہ قبول کر لینا اور جنگ سے رک جانا۔ پس اگر وہ جزیہ دینے سے بھی انکار کر دیں تو پھر اللہ کی مدد طلب کرنا اور ان سے قتال کرنا۔"

③ اللہ کے رسول ﷺ کے دیگر فرامین میں یہ بات صراحت سے موجود ہے کہ مشرکین اور اہل کتاب کو مفتوح و مغلوب کرنے کی غرض سے جہاد کا یہ حکم قیامت تک کے لیے باقی ہے۔

ایک روایت کے الفاظ ہیں:

«والجهادُ ماضٍ منذُ بعثني اللهُ إلى أن يقاتلَ آخِرُ أُمتي الدجالَ، لا يبطِلُه جَوْر جائرٍ، ولا عَدل عادلٍ»[1]

"جہاد اس دن سے جاری ہے کہ جس دن سے اللہ نے مجھے مبعوث کیا ہے، یہاں تک کہ میری امت کا آخری حصہ دجال سے قتال کرے گا۔ اس جہاد کو کسی ظالم کا ظلم یا کسی عادل کا عدل منسوخ نہیں کر سکتا۔"

البتہ یہ بات درست ہے کہ اس حدیث کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ اس امت میں ہر ہر لمحے قتال ہوتا رہے گا۔ اس حدیث کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ جہاد کی اجازت قیامت تک باقی رہے گی اور اسے کوئی منسوخ نہیں کر سکتا۔ اور جہاد یہاں وسیع معنی میں ہے کہ جس میں غلبہ دین کے لیے کی جانے والی ہر کوشش شامل ہے حتی کہ قتال بھی۔ "منذ بعثني" کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ یہاں جہاد سے مراد محض قتال نہیں ہے جبکہ "يقاتل" کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں کہ یہاں جہاد میں قتال بھی شامل ہے۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

«إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ، وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ، سَلَّطَ اللهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ»[2]

"جب تم بیع عینہ کرنے لگ جاؤ اور بیلوں کی دموں کو پکڑ لو۔ اور محض کھیتی باڑی ہی پر اکتفا کر لو اور جہاد کو چھوڑ دو گے تو ایسی صورت میں اللہ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دیں گے جسے کوئی چیز دور نہ کر سکے گی یہاں تک کہ تم اپنے دین یعنی جہاد کی طرف واپس لوٹو۔"

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

---

[1] السجستاني، أبو داؤد، سليمان بن الأشعث، سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الغزو ومع أئمة الجور: 2532، قال الألباني هذا الحديث ضعيف، دار السلام للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى، 1999م

[2] سنن أبي داود، كتاب البيوع، باب في النهي عن العينة: 3462، قال الألباني هذا الحديث صحيح

«الخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الخَيْرُ إِلَى يَوْمِ القِيَامَةِ: الأَجْرُ وَالمَغْنَمُ»[1]

"گھوڑوں کی پیشانیوں میں اللہ نے قیامت تک کے لیے خیر لکھ دی ہے: اور وہ خیر اجر وثواب اور مال غنیمت ہے۔"

اس معنی کی تمام روایات قرآن مجید کی آیت مبارکہ ﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ﴾[2] ہی کا ہی بیان ہیں۔

④ بذریعہ جہاد وقتال غیر مسلم اقوام کو مفتوح ومغلوب بنا کر ان پر جزیہ عائد کرنے کا یہ حکم نزول مسیح ابن مریم علیہ السلام تک قائم رہے گا۔ لیکن جب ان کا نزول ہو گا تو وہ جزیہ ختم کر دیں گے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ ﷺ حَكَمًا مُقْسِطًا، فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ، وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ، وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ، وَيَفِيضُ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ»[3]

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، قریب ہے کہ مسیح ابن مریم علیہ السلام تمہارے مابین ایک عادل حکمران کی صورت میں نازل ہوں۔ پس وہ صلیب کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کر دیں گے۔ اور جزیہ ختم کر دیں گے۔ اور اس قدر مال خرچ کریں گے کہ کوئی قبول کرنے والا نہ رہے گا۔"

⑤ جہاد وقتال کی علت اسلام میں ایک ہی ہے اور وہ "ظلم وعدوان" ہے۔ اور اس کی دلیل نص صریح ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ﴾[4]

"جن لوگوں سے جنگ کی جاتی ہے، انہیں جہاد وقتال کی اجازت دی جاتی ہے، اس سبب سے کہ ان پر ظلم ہوا۔"

اس آیت مبارکہ میں "باء" تعلیل کے لیے ہے۔ پس "ظلم وعدوان" جہاد وقتال کی وہ منصوص حکمت ہے کہ جسے کتاب وسنت نے ظلم کی متعین صورتوں کے بیان کے ساتھ علت بنا دیا ہے۔ قرآن مجید بظاہر جن منضبط اوصاف کی بنیاد پر جہاد وقتال کا حکم دیا گیا ہے وہ دراصل "ظلم وعدوان" ہی کی صورتیں ہیں۔ اسلام ظلم وعدوان کی کسی صورت کو کسی طور برداشت نہیں کرتا، چاہے یہ اہل ایمان پر ہو یا چاہے انسانوں پر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ عزوجل نے "ظلم وعداون" کے خاتمہ کے لیے ظالموں کے خلاف قتال کو مشروع قرار دیا ہے، چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ آیت مبارکہ میں ہے:

﴿ وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب الجهاد ماض مع البر والفاجر: 2852

[2] سورة الأنفال:8: 39

[3] صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب نزول عيسى ابن مريم حاكمًا بشريعة نبينا محمد ﷺ:155

[4] سورة الج:22: 39

تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ﴾[1]

اب اگر سوال یہ ہو کہ اللہ کے رسول ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں مشرکین عرب، یہود عرب، اہل فارس اور اہل روم سے جہاد وقتال کیوں ہوا؟ اگر اتمام حجت وجہ نہیں تھی تو اس جہاد وقتال کی کیا وجہ تھی؟ ہمارے نزدیک جہاد وقتال کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ "ظلم وعدوان" ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، چاہے یہ ظلم ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر کرے یا چاہے ایک انسان دوسرے انسان پر کرے۔ قرآن مجید بظاہر جن منضبط اوصاف کی بنیاد پر جہاد وقتال کا حکم دیا گیا ہے وہ دراصل "ظلم وعدوان" ہی کی صورتیں ہیں۔ پس آپ ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں مشرکین عرب، اہل کتاب اور اہل فارس نے اپنے مذہبی عقائد کی روشنی میں جو ایک ظالمانہ اور استحصالی اجتماعی یا ریاستی نظام قائم کر رکھا تھا، دراصل اس ظالم اور استحصالی ریاست کے خلاف جہاد وقتال کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کا رستم کے دربار میں جو طویل مکالمہ ہوا اور اس میں رستم کے سوال پوچھنے پر کہ تم عرب ہم سے کیوں لڑنے آئے ہو؟ یہ جواب دیا:

"اللہ ابْتَعَثَنَا، وَاللہ جَاءَ بِنَا لِنُخْرِجَ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلَى عِبَادَةِ اللہ، وَمِنْ ضِيقِ الدُّنْيَا إِلَى سِعَتِهَا، وَمِنْ جَوْرِ الأَدْيَانِ إِلَى عَدْلِ الإِسْلامِ."[2]

"اللہ نے ہمیں بھیجا ہے، اور اللہ ہمیں تمہارے پاس اس لیے لایا ہے کہ جس کے بارے اس کی مشیئت ہے، اسے ہم بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں داخل کریں، دنیا کی تنگیوں سے نکال کر اس کی وسعتوں سے ہمکنار کریں، مذاہب عالم کے ظلم سے نکال کر اسلام کے عدل میں داخل کریں۔"

پس ایک اسلامی ریاست کی اقوام عالم کے حوالہ سے دو خارجی ذمہ داریاں ہیں: ایک عالم دنیا تک پیغام رسالت کو پہنچانا اور دوسرا عالم دنیا سے ظلم کا خاتمہ۔ پہلی ذمہ داری کے لیے دعوت وتبلیغ کے عمل کو ریاست کی سرپرستی حاصل ہوگی جبکہ دوسری کے لیے جہاد وقتال کو مشروع قرار دیا گیا ہے۔ پہلی ذمہ داری کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ﴿وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾[3] ہے جبکہ دوسری ذمہ داری کی دلیل یہ آیت مبارکہ ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ

[1] سورة الحجرات: 49: 9

[2] الطبري، محمد بن جرير، تاريخ الطبري: 3/ 520، دار التراث، بيروت، الطبعة الثانية، 1387هـ

[3] سورة آل عمران: 3: 104

یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾[1] ہے۔ دوسری ذمہ داری کی ادائیگی میں البتہ یہ ضرور ملحوظ رکھا جائے گا کہ مسلمان ریاست کے پاس مشرک اور غیر مسلم اقوام کو مفتوح اور مغلوب کرنے کی استطاعت اور صلاحیت موجود ہو۔ اگر کسی مسلمان ریاست کے پاس یہ استطاعت اور صلاحیت نہ ہو گی تو اس کے لیے اس غرض سے جہاد و قتال بھی درست نہیں قرار پائے گا اور اس صورت میں وہ دوسری اقوام کے حوالے سے صرف دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ادا کرنے پر اکتفا کرے گی۔ باقی رہی اسلامی ریاست کی داخلی ذمہ داریاں تو وہ اس تحریر کا موضوع نہیں ہے۔

⑥ سورۃ توبہ کی وہ آیات جو مشرکین کو صرف یہ آپشن دیتی ہیں کہ وہ اسلام قبول کریں تو ان مشرکین سے مراد وہ مشرک قبائل ہیں جن کا مسلمانوں سے امن کا معاہدہ تھا اور انہوں نے ظلم ڈھاتے ہوئے وہ معاہدہ توڑ دیا لہٰذا ان کے سابقہ جرائم کی بھی ایک لمبی فہرست کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے اس ''نقض عہد'' کی سزا یہ بیان ہوئی کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ البتہ اس سزا میں بھی اس قاعدے کلیے کی رعایت رکھی گئی کہ اسلام پچھلے گناہوں کو گرا دیتا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ نَاسًا، مِنْ أَهْلِ الشِّرْكِ كَانُوا قَدْ قَتَلُوا وَأَكْثَرُوا، وَزَنَوْا وَأَكْثَرُوا، فَأَتَوْا مُحَمَّدًا ﷺ فَقَالُوا: إِنَّ الَّذِي تَقُولُ وَتَدْعُو إِلَيْهِ لَحَسَنٌ، لَوْ تُخْبِرُنَا أَنَّ لِمَا عَمِلْنَا كَفَّارَةً فَنَزَلَ: ﴿وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ﴾ [الفرقان: 68] وَنَزَلَتْ ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ [الزمر: 53][2]

''سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کچھ مشرک لوگ جنہوں نے بہت قتل وغارت اور بدکاری کی تھی، آپ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے اور کہا: اے نبی ﷺ! آپ ایک اچھی بات کی طرف دعوت دیتے ہیں لیکن ہمیں یہ بتلائیں کہ جو ہم کر چکے ہیں، اسلام لانے کے بعد اس کا کفارہ کیا ہو گا؟ اس پر قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے، اور کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے، اور زنا نہیں کرتے۔ اور یہ آیات بھی نازل ہوئیں: اے نبی ﷺ! آپ کہہ دیں: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔''

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَلَمَّا جَعَلَ اللهُ الْإِسْلَامَ فِي قَلْبِي أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ، فَقُلْتُ: ابْسُطْ يَمِينَكَ فَلْأُبَايِعْكَ، فَبَسَطَ يَمِينَهُ، قَالَ: فَقَبَضْتُ يَدِي، قَالَ: «مَا لَكَ يَا عَمْرُو؟» قَالَ: قُلْتُ: أَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِطَ، قَالَ: «تَشْتَرِطُ بِمَاذَا؟»

---

[1] سورة التوبة:9: 29

[2] صحيح بخاري، كتاب تفسير القرآن، باب قوله ﴿يا عبادي الذين أسرفوا على أنفسهم لاتقنطوا من رحمة الله ...﴾:4810

قُلْتُ: أَنْ يُغْفَرَ لِي، قَالَ: «أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟[1]

"پس جب اللہ نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا تو میں اللہ کے نبی ﷺ کے پاس آیا اور میں نے آپ ﷺ سے کہا: اپنا ہاتھ پھیلائیں تاکہ میں آپ سے بیعت کر سکوں۔ پس آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ پھیلایا تو میں نے پکڑ لیا۔ آپ ﷺ نے کہا: اے عمرو! کیا بات ہے؟ میں نے کہا: میں بیعت کے ساتھ ایک شرط لگانا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے کہا: کیا شرط؟ میں نے کہا: مجھے معاف کر دیا جائے۔ آپ ﷺ نے کہا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اسلام پچھلے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔"

⑦ ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴾[2] کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول غالب آئیں گے۔ اس غلبے کی صورت میں یہ ضروری نہیں ہے کہ قوم نیست و نابود کر دی جائے جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں جب جادوگر میدان میں آئے تو ان کی شکست پر قرآن مجید نے ﴿ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴾[3] کے الفاظ سے تبصرہ کیا۔ پس رسول کا غلبہ اگر صرف دلیل سے ہو تو وہ بھی اس آیت کے مفہوم میں شامل ہے جیسا کہ علامہ زمخشری رحمہ اللہ نے بھی یہ مفہوم بیان کیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کو اپنی قوم کے مقابلے میں یہ صورت حاصل ہوئی کہ غلبہ دلیل و تلوار دونوں سے حاصل ہوا جبکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قوم پر جو غلبہ حاصل ہوا وہ صرف دلیل و برہان کی صورت میں تھا جیسا کہ آیات کریمہ ﴿ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۙ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴾[4] اور آیات کریمہ ﴿ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۙ وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۚ وَ نَجَّيْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴾[5] اور آیت کریمہ ﴿ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَ قَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾[6] میں واضح طور موجود ہے۔

⑧ اسی طرح قرآن مجید کی آیت ﴿ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾[7] سے اصلاً مراد اخروی عذاب ہے جیسا کہ آیت مبارکہ کے سیاق ﴿ وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله وكذا الهجرة والحج: 121

[2] سورة المجادلة:58: 21

[3] سورة الأعراف:7: 119

[4] سورة الأنبياء:21: 64-65

[5] أيضاً:21: 69-71

[6] سورة العنكبوت:29: 26

[7] سورة بني إسرائيل:17: 15

مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾﴾[1] سے واضح ہوتا ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی درست ہے کہ دنیا میں بھی کسی قوم پر اس وقت تک عذاب استیصال نازل نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی طرف کوئی رسول نہ بھیج دیا جائے کیونکہ حجت رسول سے قائم ہوتی ہے نہ کہ عقل وفطرت سے۔ یہ دو مختلف مقدمات ہیں۔ ایک یہ کہ کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں آتا جب تک اس کی طرف رسول بھیج کر اس پر حجت نہ قائم کی گئی ہو۔ عقل، فطرت یا تاریخ کے اسباق وغیرہ کی بنیاد پر قائم حجت ایسی حجت نہیں ہے جو قوموں پر عذاب کے نزول میں "قطع عذر" کے درجے میں حجت بن سکے۔ اور دوسرا یہ کہ جس قوم کی طرف بھی رسول بھیجا گیا ہو، اس پر رسول کی زندگی میں ہی ضرور عذاب نازل ہوتا ہے۔ پہلا مقدمہ درست ہے اور دوسرا غلط ہے۔ اس آیت سے مراد اگر دنیا کا عذاب لیا جائے تو اس سے صرف پہلا مقدمہ ہی ثابت ہو سکتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾[2]

⑨ آیت مبارکہ ﴿وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾﴾[3] سے مراد قیامت کے دن رسولوں کا اللہ کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ ﴿قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾ اور ﴿وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾﴾ کا اسلوب بیان یہ صراحت کر رہا ہے کہ اس سے مراد آخرت کی عدالت ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کے دیگر مقامات پر آخرت کی عدالت ہی کے ضمن میں یہی اسلوب بیان وارد ہوا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں خاص طور "قسط" کا لفظ بھی قابل غور ہے جس کا بیان عذاب کی بجائے فیصلے کے لیے زیادہ مناسب وملائم ہے۔ امام مجاہد رحمہ اللہ نے بھی اس آیت مبارکہ میں رسولوں کے آنے سے میدان حشر کی عدالت میں ان کا پیش ہونا مراد لیا ہے۔ اسی طرح دیگر آیات سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ جِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾﴾[4]

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان آیات کے سیاق میں دنیاوی عذاب کا ذکر ہے تو یہاں آخرت کیسے مراد لی جا

---

[1] سورة بني إسرائيل:17: 13-15

[2] سورة القصص:28: 59

[3] سورة يونس:10: 47

[4] سورة الزمر:39: 69

سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات کے معنی و مفہوم کے تعین میں سیاق کی اہمیت مسلمہ ہے لیکن مدعا یہ ہے کہ اگلی آیات کے سیاق سے اگر ایک ایسا مفہوم نکل رہا ہو جسے خود اس آیت کا سیاق قبول نہ کر رہا ہو تو اس صورت میں آیت کے سیاق سے سمجھ آنے والے مفہوم کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ قرآن مجید میں مخاطب کی مسلسل تبدیلی "اسالیب خطاب" میں شامل ہے۔

(۱۰) آیت مبارکہ ﴿وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۲﴾[1] کی وضاحت اگلی آیت ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۳۳﴾[2] میں موجود ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ عزوجل نے واضح طور بیان کیا ہے کہ اے نبی ﷺ جب تک آپ اور استغفار کرنے والے ان میں موجود ہیں، اللہ ان پر کسی عذاب کو نازل کرنے والا نہیں ہے۔

اس کے متصل بعد آیت مبارکہ ﴿وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَ هُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾[3] میں صرف اس بات کا ذکر ہے کہ مشرکین مکہ عذاب کے مستحق ہیں لیکن یہ اللہ عزوجل کی مہلت ہے کہ اللہ ان پر کسی وجہ سے عذاب نازل کرنے والا نہیں ہے، جیسا کہ پچھلی آیت مبارکہ میں ہے۔

(۱۱) آیت مبارکہ ﴿سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝۱ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۝۲﴾[4] میں جس عذاب کا ذکر ہے، وہ قیامت کے دن کا عذاب ہے جیسا کہ اس کے بعد کی آیات ﴿مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۝۳ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝۴ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝۵ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۝۶ وَّ نَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝۷ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝۸ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝۹ وَ لَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝۱۰ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ۝۱۱ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيْهِ ۝۱۲ وَ فَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۝۱۳ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝۱۴ كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ۝۱۵ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝۱۶ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى ۝۱۷ وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى ۝۱۸﴾[5] سے واضح ہے۔

(۱۲) آیت مبارکہ ﴿وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ لَوْ لَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَ لَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۵۳ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۵۴ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ

---

1 سورة الأنفال:9: 32

2 أيضاً:9: 33

3 أيضاً:8: 34

4 سورة المعارج:70: 1-2

5 أيضاً:70: 3-18

مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ وَ يَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۵۵﴾﴾[1] سے واضح ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ سے عذاب نازل کرنے کا جو بھی مطالبہ کیا یا اللہ عزوجل نے مشرکین کو اس کے جواب میں جس عذاب سے ڈرایا، تو وہ دنیا کی بجائے آخرت کا عذاب تھا۔ پس یہ مقدمہ قرآن مجید کی ان صریح آیات کے مطابق بہت ہی کمزور محسوس ہوتا ہے کہ مشرکین عرب پر کوئی ایسا عذاب نازل ہوا تھا جیسا کہ پچھلی قوموں پر نازل ہوتا تھا۔

⑬ آیت مبارکہ ﴿قُلۡ هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ ؕ وَ نَحۡنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمۡ اَنۡ يُّصِيۡبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖۤ اَوۡ بِاَيۡدِيۡنَا ۚ فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ ﴿۵۲﴾﴾[2] میں جس عذاب کا ذکر ہے، اس کے مخاطب مشرکین نہیں بلکہ منافقین ہیں جیسا کہ سیاق وسباق سے واضح ہے۔

اور انہی منافقین کے بارے اللہ عزوجل نے یہ فرمایا:

﴿فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَ تَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿۵۵﴾ وَ يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمۡ لَمِنۡكُمۡ ؕ وَمَا هُمۡ مِّنۡكُمۡ وَلٰكِنَّهُمۡ قَوۡمٌ يَّفۡرَقُوۡنَ ﴿۵۶﴾﴾[3]

پس جس طرح مشرکین کو دنیا میں عذاب کی وعید سنائی گئی، اسی طرح منافقین کو بھی دنیا میں عذاب کی وعید سنائی گئی لیکن ان دونوں گروہوں پر ویسا عذاب نہیں آیا جیسا کہ پچھلی قوموں پر رسولوں کی نافرمانی کی صورت میں آیا تھا۔

---

[1] سورة العنكبوت:29: 53-55

[2] سورة التوبة:9: 52

[3] أيضاً:9: 56